

هَذَا يَتَّبِعُ التَّسْبُوحَ هَذَا وَمَوْعِظَ الْمُتَّقِينَ

تَفْهِيمُ الْقُرْآنِ

جلد اول

سُورَةُ الْاَنْعَامِ تا سُورَةُ الْاَنْعَامِ

ابوالاعلیٰ مودودی

اداره ترجمان القرآن لاہور

فهرست مضامین

شماره	مضمون	شماره
۵	دیباچه	۱
۱۳	مقدمه	۲
۳۳	القائمة	۳
۳۶	البقرة	۴
۲۲۸	أل عمران	۵
۳۱۶	النساء	۶
۳۳۲	المائدة	۷
۵۲۰	الأنعام	۸
۶۰۹	فهرست موضوعات	۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر پر ہماری زبان میں اب تک اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب کسی شخص کا محض برکت و سعادت کی خاطر ایک نیا ترجمہ یا ایک نئی تفسیر شائع کر دینا وقت اور محنت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ اس راہ میں مزید کوشش اگر عقول ہو سکتی ہے تو صرف اُس صورت میں جبکہ آدمی کسی ایسی کسر کو پورا کر رہا ہو جو سابقہ ترجمہ و مفسرین کے کام میں رہ گئی ہو یا طالبین قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پورا کرے جو پچھلے تراجم و تفاسیر سے پوری نہ ہوتی ہو۔

ان صفحات میں ترجمانی و تفسیر قرآن کی جو سعی کی گئی ہے وہ دراصل اسی بنیاد پر ہے۔ میں ایک مدت سے محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے عام تعلیم یافتہ لوگوں میں رُوح قرآن تک پہنچنے اور اس کتاب پاک کے حقیقی مدعا سے رُوشناس ہونے کی بوجہ طلب پیدا ہو گئی ہے اور روز بروز بڑھ رہی ہے وہ مترجمین و مفسرین کی قابل قدر مساعی کے باوجود ہنوز تشنہ ہے۔ اس کے ساتھ میں یہ احساس بھی اپنے اندر پارہا تھا کہ اس تشنگی کو بجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ خدمت میں بھی کر سکتا ہوں۔ انہی دونوں احساسات نے مجھے اُس کوشش پر مجبور کیا جس کے ثمرات ہدیہ نامہ ظہرین کیے جا رہے ہیں۔ اگر فی الواقع میری یہ حقیر پیشکش لوگوں کے لیے فہم قرآن میں کچھ بھی مددگار ثابت ہوئی تو یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہوگی۔

اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کی ضروریات تھیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات

ہیں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے۔ انہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے اُن تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں۔ پھر جو مقصد میں نے اس کام میں اپنے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و تدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اُس پر ڈالنا چاہتا ہے۔ نیز دوران مطالعہ میں جہاں جہاں اسے الجھنیں پیش آسکتی ہوں وہ صاف کر دی جائیں اور جہاں کچھ سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوں ان کا جواب اُسے بروقت مل جائے۔ یہ میری کوشش ہے۔ اب اس امر کا فیصلہ عام ناظرین ہی کر سکتے ہیں کہ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ بہر حال یہ صرف آخر نہیں ہے۔ بہر ناظر سے میری درخواست ہے کہ جہاں کوئی تشنگی محسوس ہو یا کسی سوال کا جواب نہ ملے یا تدعا اچھی طرح واضح نہ ہو رہا ہو اس سے مجھے مطلع کیا جائے تاکہ میں اس خدمت کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکوں۔ علماء کرام سے بھی میں گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرمائیں۔

چند الفاظ ترجمانی و تفسیر کے متعلق بھی :

میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں پابندی لفظ کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو غلط سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ترجمہ قرآن کا تعلق ہے یہ خدمت اس سے پہلے متعدد بزرگ بہترین طریقہ پر انجام دے چکے ہیں اور اس راہ میں اب کسی مزید کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ اور اردو میں شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا محمد الحسن صاحب، مولانا اشرف علی صاحب اور حافظ فتح محمد صاحب جاندھری کے تراجم اُن اغراض کو بخوبی پورا کر دیتے ہیں جن کے لیے ایک

لفظی ترجمہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمہ سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں۔ انہی کو ہم نے ترجمانی کے ذریعے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

لفظی ترجمے کا اصل فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو قرآن کے ہر لفظ کا مطلب معلوم ہو جاتا ہے اور وہ ہر آیت کے نیچے اس کا ترجمہ پڑھ کر جان لیتا ہے کہ اس آیت میں یہ کچھ فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس فائدے کے ساتھ اس طریقے میں کئی پہلو نقص کے بھی ہیں جن کی وجہ سے ایک غیر عربی داں ناظر قرآن مجید سے اچھی طرح مستفید نہیں ہو سکتا۔

پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمے کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانی عبارت، زور بیان، بلاغت زبانی اور تاثیر کلام کا فقدان ہے۔ قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی زوچ وجد میں آتی ہے، نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ اس کے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے، نہ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر تک اترتی چلی جا رہی ہے۔ اس طرح کا کوئی تاثر و نما ہونا تو درکنہ ترجمے کو پڑھتے وقت تو بسا اوقات آدمی یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی یہی وہ کتاب ہے جس کی نظیر لانے کے لیے دنیا بھر کو چیلنج دیا گیا تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظی ترجمے کی چھلنی صرف دعا کے خشک اجزا ہی کو اپنے اندر سے گردنے دیتی ہے۔ رہی ادب کی ذہن تیز و تند امپرٹ جو قرآن کی اصل عبارت میں بھری ہوئی ہے، اس کا کوئی حصہ ترجمے میں شامل نہیں ہونے پاتا۔ وہ اس چھلنی کے اوپر ہی سے اڑ جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کی تاثیر میں اس کی پاکیزہ تعلیم اور اس کے عالی قدر مضامین کا جتنا حصہ ہے، اس کے ادب کا حصہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہی تو وہ چیز ہے جو سنگ دل سے سنگ دل آدمی کا دل بھی پگھلا دیتی تھی۔ جس نے بھل کے کر کے کی طرح عرب کی ساری زمین ہلا دی تھی۔ جس کی قوتِ تاثیر کا لوہا اس کے شدید ترین مخالفین تک مٹاتے تھے اور ڈرتے تھے کہ یہ جادو اثر کلام جو مٹنے گا وہ بالآخر نقدِ دل ہار بیٹھے گا۔ یہ چیز اگر قرآن میں نہ ہوتی اور وہ اسی طرح کی زبان میں نازل ہوا ہوتا جیسی اس کے ترجموں میں ہم کو ملتی ہے تو اہل عرب کے دلوں کو گرگانے اور زمانے میں اسے ہرگز وہ کامیابی نہ حاصل ہو سکتی جو فی الواقع اسے حاصل ہوئی۔

لفظی ترجموں سے طابع کے پوری طرح متاثر نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترجمے ہائے عمومی میں اسطرح
 درج کیے جاتے ہیں، یا نئے طرز کے مطابق صفحے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک طرف کلام اللہ اور دوسری
 طرف ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اس غرض کے لیے تو عین مناسب ہے جس کی خاطر آدمی لفظی ترجمہ پڑھتا ہے،
 کیونکہ اس طرح ہر لفظ اور ہر آیت کے مقابلے میں اس کا ترجمہ ملتا جاتا ہے۔ لیکن اس کا نقصان یہ ہے کہ ایک
 آدمی جس طرح دوسری کتابوں کو پڑھتا اور ان سے اثر قبول کرتا ہے اسی طرح وہ ترجمہ قرآن کو نہ تو تسلسل
 پڑھ سکتا ہے اور نہ اس سے اثر قبول کر سکتا ہے کیونکہ بار بار ایک اجنبی زبان کی عبارت اس کے مطالعہ کی
 راہ میں حائل ہوتی رہتی ہے۔ انگریزی ترجموں میں اس سے بھی زیادہ بے اثری پیدا کرنے کا ایک سبب یہ ہے
 کہ بائبل کے ترجمے کی پیروی میں قرآن کی ہر آیت کا ترجمہ الگ الگ نمبر وار درج کیا جاتا ہے۔ آپ کسی
 بہتر سے بہتر مضمون کو لے کر ذرا اس کے فقرے فقرے کو الگ کر دیجیے اور اوپر نیچے نمبر وار لکھ کر اُسے
 پڑھیے۔ آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ مربوط اور مسلسل عبارت سے جو اثر آپ کے ذہن پر پڑتا تھا اس سے
 آدھا اثر بھی ان جدا جدا فقروں کے پڑھنے سے نہیں پڑتا۔

ایک اور وجہ اور بڑی اہم وجہ لفظی ترجمے کے بغیر ٹوٹے ہوئے کی یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان تحریری
 نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اگر اس کو منتقل کرتے وقت تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان میں تبدیل نہ کیا جائے
 اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر ڈالا جائے تو ساری عبارت غیر مربوط ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے
 کہ قرآن مجید ابتداء لکھے ہوئے رسالوں کی شکل میں شائع نہیں کیا گیا تھا، بلکہ دعوت اسلامی کے سلسلے میں
 حسب موقع و ضرورت ایک تقریر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی تھی اور آپ اسے ایک خطبے کی شکل میں
 لوگوں کو سناتے تھے۔ تقریر کی زبان اور تحریر کی زبان میں فطرتاً بہت بڑا فرق ہوتا ہے مثلاً تحریر میں ایک شبہ کو
 بیان کر کے اسے رفع کیا جاتا ہے۔ مگر تقریر میں شبہ کرنے والے خود سامنے موجود ہوتے ہیں، اس لیے بسا اوقات
 یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی کہ "لوگ ایسا کہتے ہیں" بلکہ تقریر آدھ سن ہی میں ایک فقرہ ایسا کہ جانا
 ہے جو ان کے شبہ کا جواب ہوتا ہے۔ تحریر میں سلسلہ کلام سے الگ گرا اس سے قریبی تعلق رکھنے والی کوئی
 بات کہنی ہو تو اس کو جملہ معترضہ کے طور پر کسی نہ کسی طرح عبارت سے جدا کر کے لکھا جاتا ہے تاکہ ربط کلام

ٹوٹنے نہ پائے۔ لیکن تقریر میں صرف لہجہ اور طرزِ خطاب بدل کر ایک مقرر بڑے بڑے جملہ مائے معترضہ بولتا چلا جاتا ہے اور کوئی بے ربطی محسوس نہیں ہوتی۔ تقریر میں بیان کا تعلق ماحول سے جوڑنے کے لیے الفاظ سے کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن تقریر میں ماحول خود ہی بیان سے اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے اور ماحول کی طرف اشارہ کیے بغیر جو باتیں کہی جاتی ہیں ان کے درمیان کوئی خلا محسوس نہیں ہوتا۔ تقریر میں منظم اور مخاطب بار بار بدلتے ہیں۔ مقرر اپنے زور و کلام میں موقع و محل کے لحاظ سے کبھی ایک ہی گروہ کا ذکر بصیغہ غائب کرتا ہے اور کبھی اسے حاضر سمجھ کر براہِ راست خطاب کرتا ہے۔ کبھی واحد کا صیغہ بولتا ہے اور کبھی جمع کے صیغے استعمال کرنے لگتا ہے۔ کبھی منظم وہ خود ہوتا ہے، کبھی کسی گروہ کی طرف سے بولتا ہے، کبھی کسی بالائی طاقت کی نمائندگی کرنے لگتا ہے، اور کبھی وہ بالائی طاقت خود اس کی زبان سے بولنے لگتی ہے۔ تقریر میں یہ چیز ایک حسن پیدا کرتی ہے مگر تھوڑی سی اگر یہی چیز بے جوڑ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی تقریر کو تحریر کی شکل میں لایا جاتا ہے تو اس کو پڑھتے وقت آدمی لازماً ایک طرح کی بے ربطی محسوس کرتا ہے اور یہ احساس اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے جتنا اصل تقریر کے حالات اور ماحول سے آدمی دور ہوتا جاتا ہے۔ خود قرآنِ عربی میں بھی ناواقف لوگ جس بے ربطی کی شکایت کرتے ہیں، اس کی اصلیت یہی ہے۔ وہاں تو اس کو دور کرنے کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ تفسیری حواشی کے ذریعہ سے ربط کلام کو واضح کیا جائے، کیونکہ قرآن کی اصل عبارت میں کوئی کمی بیشی کرنا حرام ہے۔ لیکن کسی دوسری زبان میں قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے اگر تقریر کی زبان کو احتیاط کے ساتھ تحریر کی زبان میں تبدیل کر لیا جائے، تو بڑی آسانی کے ساتھ یہ بے ربطی دور ہو سکتی ہے۔

علاوہ بریں، جیسا کہ ابھی میں اشارہ عرض کر چکا ہوں، قرآن مجید کی ہر سورت دراصل ایک تقریر تھی جو دعوتِ اسلامی کے کسی مرحلے میں ایک خاص موقع پر نازل ہوتی تھی۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہوتا تھا۔ کچھ مخصوص حالات اس کا تقاضا کرتے تھے۔ اور کچھ ضرورتیں ہوتی تھیں جنہیں پورا کرنے کے لیے وہ اترتی تھی۔ اپنے پس منظر اور اپنی اس شانِ نزول کے ساتھ قرآن کی ان سورتوں کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ اگر اس سے الگ کر کے جہزہ الفاظ کا ترجمہ آدمی کے سامنے رکھ دیا جائے تو بہت سی باتوں کو وہ قطعاً نہیں سمجھے گا، اور بعض باتوں کو اٹا سمجھ جائے گا، اور قرآن کا پورا مذاہا تو شاید کہیں اس کی گرفت میں آئے گا ہی

نہیں۔ قرآن عربی کے معانی میں اس مشکل کو دور کرنے کے لیے تفسیر سے مدد لینا پڑتی ہے، کیونکہ اصل قرآن میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن دوسری زبان میں ہم اتنی آزادی برت سکتے ہیں کہ قرآن کی ترجمانی کرتے وقت کلام کو کسی نہ کسی حد تک اس کے پس منظر اور اس کے حالات نزول کے ساتھ جوڑتے چلے جائیں تاکہ ناظر کے لیے وہ پوری طرح با معنی ہو سکے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ قرآن اگرچہ عربی زمین میں نازل ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی ایک مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے۔ اس نے بکثرت الفاظ کو ان کے اصل لغوی معنی سے ہٹا کر ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے، اور بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کو وہ مختلف مواقع پر مختلف مفہومات میں استعمال کرتا ہے۔ پابندی لفظ کے ساتھ جو ترجمے کیے جاتے ہیں ان میں اس اصطلاحی زبان کی رعایت ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہے، اور اس کے ملحوظ نہ رہنے سے بسا اوقات ناظرین طرح طرح کی الجھنوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً، ایک لفظ کفر کو بھیجے جو قرآن کی اصطلاح میں اصل عربی لغت اور ہمارے فقہاء و حنکین کی اصطلاح دونوں سے مختلف معنی رکھتا ہے، اور پھر خود قرآن میں بھی ہر جگہ ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ کہیں اس سے مراد مکتل غیر ایمانی حالت ہے۔ کہیں یہ مجرد انکار کے معنی میں آیا ہے کہیں اس سے محض ناشکری اور احسان فراموشی مراد لی گئی ہے کہیں تقضیات ایمان میں سے کسی کو پورا نہ کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ کہیں اعتقادی اقرار مگر عملی انکار یا نافرمانی کے لیے یہ لفظ بولا گیا ہے۔ کہیں ظاہری اطاعت مگر باطنی بے اعتقادی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان مختلف مواقع پر اگر ہم ہر جگہ کفر کا ترجمہ کفر ہی کرتے چلے جائیں، یا اور کسی لفظ کا التزام کریں، تو بلاشبہ ترجمہ اپنی جگہ صحیح ہوگا لیکن ناظرین کہیں مطلب سے محروم رہ جائیں گے، کہیں کسی غلط فہمی کے شکار ہوں گے، اور کہیں خلیجان میں پڑ جائیں گے۔

لفظی ترجمے کے طریقے میں کسر اور غامبی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے میں نے ترجمانی کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ اسلوب بیان میں ترجمہ پر نہ ہو، عربی زمین کی ترجمانی اردو زمین میں

میں ہو، تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو، اور کلام الہی کا مطلب مدعا صاف صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شاہدہ وقار اور زور بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ادائے مطالب کی جسارت کی جائے، لیکن معاملہ کلام الہی کا تھا، اس لیے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے۔ جس حد تک احتیاط میرے امکان میں تھی، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی اپنی عبارت جتنی آزادی بیان کی گنجائش دیتی ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

پھر چونکہ قرآن کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ارشادات کا پس منظر بھی آدمی کے سامنے ہو، اور یہ چیز ترجمانی میں پوری طرح نمایاں نہیں کی جاسکتی تھی، اس لیے میں نے ہر ٹولے کے آغاز میں ایک دیباچہ لکھ دیا ہے جس میں اپنی حد تک پوری تحقیق کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ سوزہ کس زمانے میں نازل ہوا، اُس وقت کیا حالات تھے، اسلام کی تحریک کس مرحلے میں تھی، کیا اس کی ضروریات تھیں اور کیسا مسائل اُس وقت درپیش تھے۔ نیز جہاں کہیں کسی خاص آیت یا مجموعہ آیات کی کوئی الگ شانِ نزول ہے وہاں میں نے اُسے حاشیہ میں بیان کر دیا ہے۔

حواشی میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ پھیڑی جائے جو ناظر کی توجہ قرآن سے

تفسیر قرآن کی ترجمانی کو حواشی کی طرف توجہ کیے بغیر مسلسل ایک عبارت کے طور پر پڑھیں تاکہ قرآن کے اس حصے کا پورا مضمون بیک وقت ان کے سامنے آجائے۔ پھر ایک ایک آیت کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے لیے حواشی کا مطالعہ کریں۔ اس طرح پڑھنے سے مجھے توقع ہے کہ ایک عام ناظر کو قرآن مجید کی عالمانہ واقفیت نہ سہی، عایمانہ واقفیت ان شاء اللہ بخوبی حاصل ہو جائے گی۔

اس کتاب کو میں نے محرم ۱۳۶۱ھ (فروری ۱۹۴۲ء) میں شروع کیا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ مدت تک اس کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سورہ یوسف کے آخر تک ترجمانی اور تفسیر تیار ہو گئی۔ اس کے بعد پے در پے ایسے اسباب پیش آتے چلے گئے کہ مجھے نہ تو آگے کچھ لکھنے کا موقع مل سکا اور نہ اتنی فرصت ہی میسر آ سکی کہ جتنا کام ہو چکا تھا اسی کو نظر ثانی کر کے اس قابل بنا سکتا کہ کتابی صورت میں شائع ہو سکے۔ اب اسے مشین اتفاق کیسے یا سوہ اتفاق کہ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں یکایک مجھے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور یہاں مجھ کو وہ فرصت ہم پہنچ گئی جو اس کتاب کو پریس میں جانے کے قابل بنانے کے لیے درکار تھی۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس غرض کے لیے میں نے یہ محنت کی ہے، وہ پوری ہو اور یہ کتاب قرآن مجید کے فہم میں بندگان خدا کے لیے واقعی کچھ مددگار ثابت ہو سکے، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

ابوالاعلیٰ

نیوسنٹرل جیل _____ ملتان

۱۷ ذی القعدہ ۱۳۶۸ھ (۱۱ ستمبر ۱۹۴۹ء)

Tafheem-ul-Quran [The Meaning of the Quran] - S Abul A'la Maududi

0 Preface



Surah!